السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

رسالہ ''محدث ،، دہلی بابت ماہ دسمبر 1940ء مطابق ماہ شوال المکرم 1359ھ میں بذیل فتاویٰ سب سے آخر میں یہ سوال درج ہے کہ آلہ آواز جس کو انگریزی میں لاوڈا سپیکر کہتے ہیں ، جامع مسجد وعیدین ومجالس وعظ وخطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اس کے جواب میں فتویٰ صاف اثبات میں دے کر وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ عام مذہبی یا علمی جلسوں کی طرح اذان میں موذن کی آواز اور عیدین اور جمعہ کے موقع پر نماز میں امام کی آواز دور کے تمام مقتدیوں تک ،اور خطبہ میں خطیب کے آواز دور کے لوگ تک پہنچانے کے لیے لاوڈا سپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا استعمال ،اور اس کو امام اور موذن وخطیب کے سامنے رکھنا جائز اور مباح ہے ۔ ایسی ضرورت کے وقت اس آلہ کے استعمال میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے ، اور اذان نماز وخطبہ جمعہ وعیدین کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا ۔

تو اوّل : تو اس میں کوئی دلیل یا سند قرآن وحدیث سے نہیں دی گئی ، جس سے معلوم ہوتا ہے محض ذاتی اجتہاد اور قیاس رائے سے کام لیا گیا ہے ۔

دوسرے : امام یا موذن وغیرہ کے لیے اس آلہ نشر الصوت کو آگے پیچھے سرکانے اور منہ کے پاس لگائے رکھنے ، اور پھر رکوع و سجود وغیرہ میں اس کے سامنے سے ہٹانے اور پھر قیام کے صورت میں اس کو واپس اپنے منہ کے سامنے لاکر رکھنے میں ایک لہوولعب اور خلل کی صورت پیدا ہونا ظاہر ہے ۔

تیسرا : نماز وغیرہ میں جب مکبروں سے اس قسم کی حاجت پوری ہوجاتی ہے یا ہوسکتی ہے ، تو اس بدعت کی تجویز کیا ضروری ہے ، اور مشابہت وتقلید مغربیت کیوں روا رکھی جائے ؟ (محمد سلیمان بردوان)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

نماز اور اذان وخطبہ جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کے جواز والے فتویٰ پر آپ نے تین شبہے پیش کیے ہیں :

(1) قرآن وحدیث سے اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی صرف اجتہاد وقیاس اور رائے سے کام لیا گیا ہے ۔

(2) جس ضروت سے اس آلہ کو نماز وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے وہ ضرورت مزید مکبروں سے پوری ہوجاتی ہے تو اس بدعت یک تجویز کی ضرورت

ہے درآں حالیکہ اس میں تشبہ وتقلید مغربیت بھی ہے ۔

(3) نماز کی حالت میں اس آلہ کو سرکانے اور ہٹانے یا قریب کرنے سے نماز میں

خلل اور لہو ولعب کی صورت پیدا ہوجاتی ہے ۔ آپ اگر ذیل کی چند امور پر غور کریں تو یہ تینوں شبہے خودبخود دور ہوجائیں گے ، اور آلہ کے جواز میں کوئی تردد اور شبہ باقی نہیں رہے گا ۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ہر جزئی اور ہر نئے حادثہ کا حکم صراحتاً قرآن وحدیث میں مل جائے ، تو اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی ، کتاب وسنت میں انہیں امور وحوادث کے شرعی احکام صراحتاً ونصا مل سکتے ہیں ۔ جو عہد رسالت میں پیش آئے اور جو نئے واقعات اور جدید حوادث آنحضرت ﷺ کے بعد پیش آئے ۔ ان کے متعلق شریعت میں کوئی صریح حکم نہیں مل سکتا ، اگر ایسا ہو کہ ہر پیش آنے والی جزئی او رنئے حادثہ کا حکم منصوص ہو ، تو پھر اجتہاد وقیاس اور فقہ کا وجود نہیں ہوتا اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ، و نیز حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت آنحضرت ﷺ کے یہ دریافت کرنے پر کہ اگر کتاب وسنت میں تم کو فیصلہ نہ ملے تو کیا کرو گے ؟ ان کا یہ کہنا ''اجتہد برائی ،، فضول اور عبث ہوجاتا ہے ۔

آنحضرت ﷺ کے ارتحال کے بعد پیش آنے والے امور وحوادث کے احکام ، اصول وکلیات ، عموم اطلاق سے اخذ کیے جاسکتے ہیں ۔ چنانچہ عہد نبوی کے بعد نئے نئے پیش آنے والے حوادث پر صحابہ کرام ، تابعین عظام ، مجتہدین امت جو احکام لگائے ہیں ، وہ اسی طرح اصول وکلیات وغیرہ سے مستنبط کیے گئے ہیں ، نہ کہ وہ قرآن وحدیث میں منصوص ومصرح تھے ۔ اب اگر کوئی ایسا حادثہ سامنے آئے جو ان بزرگان دین کے زمانے میں نہیں پیش آیا تھا ، یا کوئی ایسی نئی چیز ہمارے سامنے آئے جو اس زمانے میں تھی ہی نہیں ، تو اسکے متعلق یہ خیال کرنا کہ قرآن وحدیث میں اس کا حکم صراحتاً مل جائے گا ، یا سلف کے احکام مستنبطہ اور فتاویٰ میں اس حکم کا تلاش ، خبط کے سوا کچھ نہ ہوگا ۔ ایسی چیز اور ایسے ہر حادثہ کے لیے علماء زمانہ کو اسی طرح قرآن وسنت میں بیان کردہ اصول کلیات ، عمومات واطلاقات سے کام لینا پڑے گا ، جس طرح صحابہ کرام اور ائمہ نے اپنے زمانہ میں لیا تھا ۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز آن حضرت ﷺ یا صحابہ کرام اور بدرجہ تنزل ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں اور اب پائی گئی ۔ اس کا استعمال بدعت اور محدث ہے ، لیکن بدعت کی یہ تعبیر نہایت گمراہ کن ہے ۔ بدعت دراصل اس نئے امر یا نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی اصل شریعت میں نہ ملے ، نہ نصا نہ استنباطاً واستخراجاً ، اور اس کو دین ومذہب یا کار ثواب سمجھ کر کیا جائے اور ساتھ ہی وہ دین کے ساتھ ملتبس بھی ہو ، اگر اس نئی چیز کی اصل قرآن یا حدیث میں بہ استنباط صحیح موجود ہے تو اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر اب تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے اور ان کے ذریعہ شریعتیں بھیجیں ، ان کے ارسال وبعثت ایک مقصد تھا کہ وہ اپنی قوموں اور امتوں کو ساری دنیاوی اسباب سے مستفید ہونے کے صحیح طریقے بتائیں ۔ ان پیغمبروں نے خود ان اسباب سے فائدہ اٹھایا اور یہ بتاگئے کہ ان سے کس طرح صحیح کام لیا جاسکتا ہے اور ان کو کیوں کر ااستعمال کیا جاسکتا ہے ۔

کے مشورہ سے جنگ احزاب آں حضرت ﷺ نے محاصرہ طائف کے موقع پرسنگ باری کرنے کےلیے ''منجنیق،، سے کام لیا، اورصحابہ نے ''دبانہ،، و ''صنبورہ،، استعمال کیا۔ آں حضرت ﷺ نے سلمان فارسی کے موقع پر ''خندق،، کھودوائی جو عجمی طریقہ مدافعت تھا۔ غرض اس طرح ہم کو بتائےگئے نت نئے اسباب عالم کو کیوں کراسلامی طریقہ پر برت سکتے ہیں۔

عہد رسالت کے بعد صحابہ کرام نے ہمیشہ اس ضابطہ کو پیش نظر رکھا اور ہم کو اس ضابطہ پر عمل کرنے کا راستہ بتاگئے۔ دورنہ جائیے! صحیح بخاری کے ابواب اوران کے تحت احادیث مذکورہ کو بہ نظر غائر پڑھ جائیں، توآپ کو صاف طو نے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے سیاست وحکومت، تمدن ومعاشرت، معاملات اورجنگ وغیرہ کے احکام وقواعد کس اچھوتے اورعمدہ طریقہ سے مستنبط فرمائے ہیں، اورایسا ہی دیگ رفقہاء رپر معلوم ہوگا کہ امام بخاری محدثین واہل الرائے نے بھی کوشش فرمائی ہے۔

پس اب بھی علماء دین کا یہ فرض ہوناچاہیے کہ جونئی چیزیں اونئے حوادث کے سامنے آئیں، ان کے احکام قرآن وحدیث میں مبینہ اصول وکلیات سے اخذ کریں، اوریہ دیکھیں کہ ان چیزوں کا استعمال شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اگر درست ہے توان کے برتنے کا صحیح اوردرست طریقہ کیا ہے فوراً بدعت اورسنت کے تتبع سے یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے (کمافی کتب الأصول) اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی: جب تک کس چیز کی عدم طہارت یاعدم اباحت پر کوئی دلیل نہ ہو، تواس چیز کو مباح اورجائز یاپاک سمجھاجائے گا۔ هُوَالَّذِى خَلَقَ لَكُم مَافِى الأَرضِ جَمِيعًا ... البقرة ۲۹ اورارشاد ہے وَسَخَّرَ لَكُم مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الأَرضِ جَمِيعًا ... الجاثية ۱۳ اورفرمایاگیا: أَلَم تَرَوا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الأَرضِ ... لقمان ۲۰ ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے آسمانوں وزمین کی ساری چیزیں انسان کےلیے بنائی ہیں۔ لہذا انسان ان سے کام لینے اورفائدہ اٹھانے کا مستحق ہے، اور ایک ایک چیز کےلیے بالتفصیل الگ الگ اجازت کی ضرورت نہیں، بلکہ جب تک کسی خاص چیز کے استعمال کی ممانعت نہ ملے۔ تمام چیزوں کی مباح اور حلال سمجھا جائے گا، اس قاعدہ کی اس حدیث میں بھی بیان فرمایا گیا ہے، ''الحلال ماأحل اللہ فی کتابہ، والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ، وماسکت عنہ فہو مما عفا عنہ،، (ابوداؤدشریف: کتاب الاطعمة باب مالم یذکر تحریمہ 4/175(3700)، واللفظ للترمذی، کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء 4/220(1726)). اس حدیث کوامام البانی نے ضعیف قراردیا ہے ''غایۃ المرام فی تخریج أحادیث الحلال والحرام،، ص: 15

ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جوذووجہین ہے، یعنی: جہت حلال حرام دونوں اس میں موجود ہیں، یااس کی حلت اورحرمت دونوں کے دلائل موجود ہیں۔ اورایک جہت کودوسری جہت پر ترجیح ہوگئی تواس کے نزدیک وہ چیز مشتبہ نہیں رہے گی۔

کسی چیز کے حلال یاحرام ہونے کی اساس اوربنا بھی قرآن نے بیان کردی ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الخَبٰٓئِثَ ... الأعراف ۱۵۷ اورحدیث میں ہے: ''نہی عن الدواء الخبیث،، (ابوداؤد کتاب الطب، باب فی الادویۃ المکروہۃ (4/203(3870). پس اگر کوئی چیز ہمارے سامنے آئے جس کی حرمت کا حکم صراحتاً موجود نہیں ہے، تواس اساس کی روشنی میں دیکھیں گے وہ مستجبت ہے یاطیب! انسان کےلیے مضرت رساں ہے یانفع بخش۔ اگر مضرت رساں ہونا اوراستجبات ثابت ہو، تووہ حرام اور ممنوع ہوگی، اور منفعت ثابت ہوتومباح وحلال۔ اسی طرح ایسی چیزوں کے طرق استعمال کوبھی دیکھیں گے جوطریق مفضی الی الفساد ہووہ ممنوع ہوگا اورجوطریق موجب صلاح ہو، وہ مباح اورجائز ہوگا۔ کسی چیز کے مضر یامفید ہونے کے جواصول وضوابط بیان کیےگئے، ان میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ جوچیز دینی فرائض کی بجاآوری میں مخل اورمانع ومزاحم ہوہ مضر اس لیے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے اورچیز اس میں ممدومعاون، وہ مفید ہے اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

جوچیز کسی ایسی غرض اورمقصد کےلیے بنائی گئی ہو، جسے شریعت نے حرام قراردیا ہے، اوراس حرام مقصد کے علاوہ اس چیز کا اورکوئی جائز استعمال بھی نہ ہو، تووہ چیز مطلقاً ممنوع وحرام ہے، اورجوچیز اچھے اوربُرے مفید اورمضر دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کی جاتی ہو، اس کو محض اس لیے نہیں ممنوع قرار دیا جاسکتا کہ فاسق اورفاجر لوگ اس کو اکثر ممنوعات میں استعمال کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم نفس اس چیز کوحرام وناجائز نہیں قرار دے سکتے، البتہ اس کے محل اورطریق استعمال کوممنوع قراردیں گے جس کوفساق وفجار ناجائز مقصد کی خاطر اختیار کرتے ہیں۔

ان امور کومد نظر رکھتے ہوئے آلہ مکبر الصوت کے (نماز واذان اورخطبہ میں) استعمال کا حکم صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اس کا ان چیزوں میں برتنا جائز اورمباح ہے۔ قرآن وحدیث میں صراحتاً آپ کو اس کا حکم نہیں مل سکتا کہ عہد رسالت میں یہ چیز نہیں تھی۔ نہ صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے فتاوؤں میں اس کا حکم مل سکتا ہے کہ وہ یہ چیز موجودہ عہد کی پیداوار ہے۔ پس اس کا حکم اصول وکلیات دین سے اخذ کیا جائے گا۔ میرے نزدیک یہ چیز '' ہوالذی خلق لکم مافی الأرض جمیعا،، اور ''سخرلکم مافی السموات ومافی الأرض جمیعا،، اور ''ماسکت عنہ، فہو عفا عنہ،، سے اخذ کردہ اصل اورکلیہ کے اندرداخل ہونے کی وجہ سے بدعت نہیں کہی جاسکتی۔ مشکوک ومشتبہ وخلاف ورع وتقویٰ اوریہ مستجبت اورمضرت رساں بھی نہیں ہے نہ اس سے کسی دینی فریضہ کی بجاآوری میں خلل اورفساد واقع ہوتا ہے، نہ یہ مطلقا لہوولعب میں داخل ہے نہ اس کا استعمال تشبہ مذموم میں داخل ہے، اس آلہ کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ قدرتی طورپر جوآواز متکلم کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ آلہ اس آواز کے لے کراورزیادہ بلند کردیتا ہے اوردورتک پہنچادیتا ہے۔

یہ واضح ہوچکا ہے کہ اس آلہ کے استعمال کوبدعت نہیں کہا جاسکتا۔ اب رہا یہ شبہ کہ جب مکبروں سے تبلیغ صوت کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تواس آلہ کے استعمال کی ضروت کیا ہے؟

سواس کے متعلق اولاً: یہ عرض ہے کہہ عیدین جیسے بڑے اجتماع کے موقع پرمکبروں سے جیسی کچھ ضرورت پوری ہوتی ہے، اسے ہر شخص جانتا ہے کہ امام تورکوع سے سراٹھارہا ہوتا ہے، اور پچھلی صفیں ابھی رکوع میں جانے والی ہوتی ہیں۔ یہی حال سجدہ اورقومہ وغیرہ کا ہوتا ہے، کسی چیز کا نظام درست نہیں ہوتا سخت انتشار اوربد نظمی ہوتی ہے، اورلاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے یہ بد نظمی قطعاً دور ہوجاتی ہے اوررکوع سجدہ تمام صفوں کا باقاعدہ ایک ساتھ ادا ہوتا ہے۔

ثانیا: مکبروں سے صرف تکبیرات انتقالات کا علم ہوسکتا ہے، یہ مکبر امام کی قرات پہنچا نہیں سکتے، اورنہ خطبہ میں خطیب کوآواز پہنچاسکتے ہیں اس ضرورت کویہ آلہ ہی پوری کرسکتا ہے قرات امام سننا گودور کے مقتدیوں پرضروری ولازم نہیں۔ لیکن اگربلاتکلف امام کی قرات بعینہ دور کے مقتدیوں تک پہنچ جائے تواس میں کیا قباحت ہے!! بلکہ یہ تو مستحسن چیز ہوگی خطبہ سے مقصود وعظ وتذکیر ہے اگراس مقصد کے حصول کی غرض سے یہ آلہ استعمال کیا جائے توشرعاً موجب فساد خطبہ کیوں ہوجائے گا؟

رہا یہ شبہ کہ اس آلہ کے استعمال میں تشبہ اورتقلید مغربیت ہے، تویہ بے جااوربے محل بلکہ لغو ہے، اگر تشبیہ منہی عنہ کا دائرہ اس قدروسیع ہوجائے، جیساکہ آپ نے سمجھ رکھا ہے، توآپ کودین کی بہت چیزیں چھوڑنی پڑیں گی ....۔ واقعہ یہ ہے کہ جوتشبیہ شرعا مکروہ وممنوع ہے۔

محقق نہیں ہے۔ غیر مسلموں کے دینی ومذہبی شعائر اورقومی امتیازات جوان کے ساتھ مخصوص ہوں اوران کودوسری قوموں سے ممتاز کرتے ہوں، ان کا اختیار کرنا تشبہ مکروہ مذموم ہے، اوراس آلہ کا استعمال نہ ان کا دینی ومذہبی شعار ہے اورنہ ان کا قومی وملی ایتاز نشان۔ صرف اتنی سی بات کہ اس کی ایجاد کا فخر ان کو حاصل ہو، اورسب سے پہلے انہوں نے اس کوضرورت کی جگہوں میں استعمال کیا، اوران سے دوسری قوموں نے لیا۔ اس سے یہ کیوں کہ ثابت ہواکہ یہ ان کا دینی وقومی وملکی امتیازی شعاروشان ہے، اوریہ شبہ کہ اس کا استعمال نماز میں مخل اورمظہر لہوولعب ہے سب سے زیادہ کمزور ہے۔ آپ نے وہ آلہ مکبر الصوت دیکھا ہی نہیں، جس

کے سر کانے اورہٹانے کی ضرورت ہوتی ہی نہیں ۔ میں نے آل انڈیا ریڈیودہلی کے براڈکاسٹ والے کمرے میں جاکر خوددیکھا ہے کہ بیچ کمرے میں زمین سے ایک فٹ اونچا مائیکروفون نصب کیا ہوا ہے ،جوپورے کمرے کی آواز کوجذب کرکے نشر گاہ تک پہنچادیتا ہے ، اوروہ جذب شدہ آواز ساری دنیا میں نشر ہوجاتی ہے ۔ پس اگر خطیب یامؤذن یاامام کے قریب ایسی قوت والا مائیکروفون رکھاجائے ،جوکچھ فاصلہ پرہتے ہوئے بھی اس کی آواز جذب کرلے ، جس میں اس کے سر کانے یاہٹانے کی ضرورت نہ پڑے تونماز میں کیوں کرمخل ہوگا اوراس کوکس بناء پرلہوولعب میں داخل کیاجائے گا ۔ ؟ عبیداللہ مبارکپوری (الہدی دربھنگہ ج 6ش :2 10ربیع الآخر1373ھ 16جنوری 1954ء)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 207

محدث فتویٰ